© rasailojaraid.com

دستورِ پاکستان، قادیانیت اور جناب نذیر ناجی

شکیل عثمانی

یادش بخیر! معروف کالم نگار اور دانش ور جناب نذیر ناجی بھی خوب آدمی ہیں۔ سیکولرازم سے ان کی وابستگی اٹوٹ ہے، بلکہ وہ پاکستان میں سیکولر عناصر کا بیرومیٹر ہیں۔ لیکن سیاسی تقسیم کے لحاظ سے ان کی وابستگی بائیں بازو سے ہے نہ دائیں بازو سے۔ پہلے وہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو کے کیمپ میں تھے، پھر ضیاء الحق کی باقیات سابق وزیر اعظم نواز شریف کے سرکاری تقریر نویس ہوگئے۔ سابق صدر پرویز مشرف کے لیے بالخصوص روشن خیالی، اعتدال پسندی کے حوالے سے، ان کا نرم گوشہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔ آج کل وہ صدر آصف علی زرداری کے ''غیر سرکاری'' دعا گو ہیں۔ ان کے دو کالم 21 رمئی 2009ء اور 12 جون 2007ء کو شائع ہوئے۔ 12 رجون 2007ء کے کالم بعنوان ''ایک رائیگاں سفر'' میں فرماتے ہیں:

> ''مسلمانوں نے اسلام کے نام پر پاکستان حاصل کیا تھا...... جو قیامِ پاکستان کے مخالف تھے، انہی لوگوں نے مذہب کے نام پر آئین سازی میں رکاوٹیں ڈالیں اور جب 1956ء کا آئین منظور ہوا تو یہ اس میں مذہب کو ریاستی معاملہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ 1973ء کے متفقہ آئین کو مذہب کے نام پر جلد ہی متنازعہ بنا دیا گیا اور ذوالفقار علی بھٹو کو مجبور ہو کر اس میں ایسی ترمیم کرنی پڑی جس کا ریاستی ذمہ داریوں سے کوئی تعلق نہیں۔ مثلاً یہ پہلی مرتبہ ہوا کہ پاکستان کے آئین میں مسلمان کی تعریف درج کی گئی۔ یہ کام دینی اداروں اور مفتیوں کا ہوتا ہے جو پاکستان میں آئین ساز ادارے سے کرایا گیا اور آبادی کے ایک بڑے حصے کو مساوی شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا۔''

21 رمئی 2009ء کے کالم بعنوان ''اس جنگ میں بہت سی جنگیں ہیں'' میں موصوف نے لکھا:

> ''قیامِ پاکستان کی مخالفت کرنے والوں نے قیامِ پاکستان کے بعد اسلام کے نام پر اقتدار حاصل کرنے کی حکمت عملی اختیار کی۔ پاکستان حاصل کرنے والی قیادت جلد ہی رخصت ہوگئی اور ان کی جگہ لینے والے بزدل بابوؤں کو اسلام کے نام سے ڈرا کر، ان عناصر نے جمہوریت کی راہ سے ہٹا دیا اور انھیں گھیر گھار کے مذہب کو ریاستی معاملات کا حصہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے نتیجے میں تباہ کن فرقہ واریت کا زہر پھیلنے لگا۔ ایک گروہ کو آئینی طور پر کافر قرار دے کر اس کے شہری حقوق سلب کرنے شروع کر دیئے گئے۔''

جناب نذیر ناجی نے خود اپنے 12 جون 2007ء کے کالم میں لکھا ہے کہ برصغیر کے مسلمانوں نے اسلام کے نام پر پاکستان حاصل کیا تھا۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے کسی غیر معمولی ذہانت کی ضرورت نہیں ہے کہ جس مقصد کے لیے یا جس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بنیاد پر کوئی ملک حاصل کیا گیا ہو، اس کی تعمیر انہی خطوط پر ہونی چاہیے جو اس مقصد کا تقاضا ہے۔ قائد اعظم نے قیامِ پاکستان سے قبل اور قیامِ پاکستان کے بعد متعدد مرتبہ پبلک اعلانات میں واضح کیا کہ قیامِ پاکستان کا مقصد کیا ہے۔ ان کے یہ اعلانات خورشید احمد خاں یوسفی کی مرتبہ کتاب "Speaches, Statements and Messages of Quid-e-Azam" میں دیکھے جاسکتے ہیں۔ جس میں حوالوں کا اہتمام بھی کیا گیا ہے۔ جمیل الدین احمد کی کتاب بھی اس سلسلے میں اہم ہے۔ قائد اعظم کی کم وبیش ایک سو سے زائد ایسی تقاریر موجود ہیں جن میں انھوں نے اسلامی نظام اور اسلامی قانون کی بات کی ہے۔ ایک موقع پر انھوں نے فرمایا:

"Muslim League stood for Pakistan so that the Muslims could rule there under islamic laws." (Speaches and Statement of Mr.Jinnah, compiled by Jamiluddin Ahmed, Page, 175)

اس تقریر میں پاکستان کے حوالے سے اسلامی قوانین کے الفاظ اہم ہیں۔ کیا اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ قائد اعظم مذہب کو ریاستی معاملہ بنانا چاہتے تھے؟ علامہ اقبالؒ نے اپنی تحریروں اور تقریروں میں اسلامی ریاست کی اصطلاح استعمال کر کے ثابت کر دیا ہے کہ اسلام ریاستی معاملہ ہے۔ کراچی بار ایسوسی ایشن کے اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے کہا:

''میرے لیے وہ گروہ بالکل ناقابل فہم ہے جو خواہ مخواہ شرارت پیدا کرنا چاہتا ہے اور یہ پروپیگنڈا کر رہا ہے کہ پاکستان کا دستور شریعت پر مبنی نہیں بنے گا۔''

(سوا اینڈ ملٹری گزٹ، 27رجنوری 1948ء/ پاکستان ٹائمز، 27رجنوری 1948ء)

اسی طرح کے تقریباً نصف درجن بیانات مزید پیش کیے جاسکتے ہیں جو قائد اعظم نے بحیثیت گورنر جنرل جاری کیے۔ قائد اعظم اپنے ان بیانات پر زندگی کے آخری لمحے تک قائم رہے۔ جناب نذیر ناجی جیسے دانش ور یقیناً اس علمی روایت سے واقف ہوں گے کہ قول ثانی قول اوّل کا ناسخ ہوتا ہے اور کسی شخص کا حتمی مؤقف اس کا آخری قول ہوتا ہے۔ کیا قائد اعظم کی 11راگست 1947ء کی تقریر کو ان کی دیگر تقاریر سے Reconcile کیا جاسکتا ہے؟ اس موضوع پر ممتاز دانش ور جناب طارق جان نے اپنی تالیف "Pakistan between Secularism and Islam" میں بڑی نفیس بحث کی ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قائد اعظم کی پاکستان کے مقاصد اور آئینی مستقبل کے بارے میں تقاریر کو ان کی کلیت میں دیکھنا چاہیے۔ بالخصوص ان کے آخری دور کے بیانات اور تقاریر اس سلسلے میں حرفِ آخر ہیں۔ اس بنیاد پر قائد اعظم کی تقاریر کا جائزہ لیا جائے تو ثابت ہوتا ہے کہ 1937ء سے 1948ء تک بحیثیت مجموعی قائد اعظم اسلام کو ریاستی معاملہ قرار دیتے رہے۔ اب دیکھنا ہے کہ اس ''جرم'' میں جناب ناجی کب قائد اعظم کے خلاف اپنی مہم کا آغاز کرتے ہیں۔

12رجون 2007ء کے کالم میں جناب ناجی نے شکوہ کیا ہے کہ قیامِ پاکستان کے مخالفین کی ریشہ دوانیوں کے نتیجے میں ذوالفقار علی بھٹو صاحب کو مجبور ہو کر 1973ء کے متفقہ آئین میں ایسی ترمیم کرنی پڑی جس کا ریاستی ذمہ داریوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے کوئی تعلق نہیں۔ پاکستان کے آئین میں مسلمان کی تعریف درج کی گئی اور آبادی کے ایک بڑے حصے کو مساوی شہری حقوق سے محروم کر دیا گیا۔ اپنے 21رمئی 2009ء کے کالم میں انھوں نے کھل کر لکھا ہے کہ قیامِ پاکستان کے مخالفین مذہب کو ریاستی معاملات کا حصہ بنانے میں کامیاب ہوگئے۔ اس کے نتیجے میں تباہ کن فرقہ واریت کا زہر پھیلنے لگا۔ ایک گروہ کو کافر قرار دے کر اس کے شہری حقوق سلب کرنے شروع کر دیئے گئے۔ جناب ناجی کو اخلاقی جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہاں یہ واضح طور پر لکھنا چاہیے تھا کہ وہ 7رستمبر 1974ء کی اس آئینی ترمیم کا ذکر کر رہے ہیں جس کے تحت احمدیوں (قادیانیوں) کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ موصوف فرماتے ہیں کہ بھٹو صاحب نے مجبور ہو کر مذکورہ آئینی ترمیم منظور کی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا مٹھی بھر قیامِ پاکستان کے مخالفین نے بھٹو صاحب کی کنپٹی پر پستول رکھ کر یہ ترمیم منظور کرائی۔ اگر قیامِ پاکستان کے مخالفین انھیں مجبور کر رہے تھے تو ملک کے منتخب وزیر اعظم نے 1953ء کی تحریک ختم نبوت کی طرح 1974ء کی تحریک ختم نبوت کو کچل کیوں نہیں دیا؟ بلکہ ایک اور سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جناب نذیر ناجی نے اس وقت اپنے کالموں میں بھٹو صاحب کو یہ مشورہ کیوں نہیں دیا کہ اگر اس تحریک کو نہیں کچلا گیا اور مجوزہ آئینی ترمیم کو منظور کر لیا گیا تو قادیانی مساوی شہری حقوق سے محروم ہو جائیں گے۔ اس کے برعکس اس مرغ بادنما نے جس طرح اس آئینی ترمیم کا خیر مقدم کیا اسے ہم موصوف ہی کے الفاظ میں پیش کرتے ہیں۔ 1988ء میں جناب ناجی روزنامہ ''نوائے وقت'' سے بطور کالم نگار وابستہ تھے۔ اس وقت بھی ان کے کالم کا عنوان ''سویرے سویرے'' ہوتا تھا۔ اپنے ایک کالم میں جناب ناجی نے لکھا:

> ''بہت کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ میں نے ختم نبوت کی پہلی تحریک میں حصہ لیا اور قید کاٹی تھی۔ اس وقت میں نے خود مرزائی نہیں دیکھے تھے۔ استادِ گرامی مولانا محمد حسن مرحوم سے سنا کرتا تھا کہ ایک گروہ ایسا ہے جس نے اپنا ایک نبی بنا رکھا ہے لیکن اس کے باوجود خود کو مسلمان کہلوانے پر بضد ہے۔ اس وقت ہمارا سیدھا سادہ مطالبہ یہ تھا کہ ان لوگوں کو اقلیت قرار دیا جائے۔ یہ جنگ طویل عرصے تک لڑی گئی اور جناب ذوالفقار علی بھٹو مرحوم کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ ان کے دور میں اس گروہ کو غیر مسلم قرار دے دیا گیا۔ سچی بات یہ ہے کہ اس سے زیادہ مرزائیوں کے خلاف جو کچھ بھی کہا جاتا تھا، مجھے اچھا نہیں لگتا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ علماء کرام زیادتی کرتے ہیں جوان لوگوں کی علیحدہ سماجی پہچان اور کلیدی اسامیوں سے علیحدگی کے مطالبے کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ یہ باتیں بنیادی انسانی حقوق کا حصہ ہیں اور یہ حقوق ان لوگوں کو ملنا چاہئیں۔ لیکن گزشتہ روز ''نوائے وقت'' نے ایک تصویر شائع کر کے مجھے حیرت زدہ کر دیا۔ یہ تصویر ''یروشلم پوسٹ'' کے 22 نومبر کے شمارے میں سے لی گئی ہے۔ اس میں اسرائیل کے صدر کے سامنے دو افراد مؤدب بیٹھے ہیں۔ ایک کا نام شیخ شریف احمد امینی اور دوسرے کا شیخ محمد حمید کا پر ہے۔ شیخ امینی اسرائیل میں اپنے گروہ کے نئے سربراہ شیخ حمید کا اسرائیل کے صدر سے تعارف کرا رہے ہیں اور مرزائیوں کو اسرائیل میں جو آزادیاں حاصل ہیں، ان پر اسرائیلی حکومت کا شکریہ ادا کر رہے ہیں۔ یہ بڑی معنی خیز تصویر ہے۔''

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انھوں نے لکھا:

''جن لوگوں کو اسرائیل کی اصلیت معلوم ہے۔ اس کا اندازہ صرف وہی لگا سکتے ہیں کہ ایک ایسے گروہ کے ساتھ وہاں کی حکومت کے اتنے قریبی اور گہرے تعلقات کا مطلب کیا ہوسکتا ہے۔ جس کے رخصت ہونے والے سربراہ کو اسرائیل کا صدر ذاتی طور پر الوداع کہے اور آنے والے کا خیر مقدم کرے۔ اسرائیلی حکومت دنیا کا سب سے بڑا مافیا ہے۔ اس کا ہدف دنیا بھر کے مسلمان ہیں۔ یہ محض ایک ریاست نہیں، ایک مرکز ہے۔ صہیونیت کا مرکز، عالمی سرمایہ دارانہ تنظیموں کا مرکز، افریقہ اور ایشیا کی غریب اور کمزور قوموں کے خلاف سازشوں کا مرکز، امریکہ اور مغرب یورپ کے ترقی یافتہ ملکوں کے حکمران طبقوں کو اپنے زیر اثر رکھنے کے لیے منصوبہ بندی کا مرکز اور بدترین عالمی دہشت گردی کا اڈہ۔ یہ محض الزام تراشی نہیں، بلکہ وہ حقائق ہیں جنھیں امریکہ اور یورپ کے اہل دانش بھی تسلیم کرتے ہیں۔''

جناب ناجی نے اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا:

''علمائے کرام تو مرزائیوں کو کلیدی عہدوں سے الگ کرنے کے مطالبات، عقائد کے حوالے سے کرتے ہیں، لیکن پاکستان کے دفاع کا تقاضا بھی یہی ہے کہ ان لوگوں سے چوکس رہا جائے۔ یہ کچھ بھی نہ کرتے ہوں تو بھی ان سے محتاط رہنے کی یہی وجہ کافی ہے کہ ان پر اسرائیل اور بھارت کی حکومتیں مہربان ہیں۔ پاکستان میں ان کی تنظیم کا طریقہ پُراسرار ہے۔ یہ لوگ جس ملک میں بھی ہوں، ایک مرکز کے تابع ہوتے ہیں اور اس کی ہدایات کو ہر چیز پر ترجیح دیتے ہیں۔ آپ کو میرے قلم سے یہ باتیں کچھ عجیب لگیں گی، لیکن یاد کریں کہ اگر اس صدی کے اوائل میں فلسطین کے مسلمانوں نے اس طرح سوچ لیا ہوتا، جس طرح میں آج مرزائیوں کے بارے میں لکھ رہا ہوں تو شاید وہ اس طرح جلاوطن نہ ہوتے۔ وہ اکثریت میں تھے اور غافل تھے۔ یہودیوں نے آہستہ آہستہ معاشرے کے ہر شعبے میں اپنی جڑیں پھیلائیں اور پھر اقلیت میں ہونے کے باوجود ایک پوری قوم کا قتل عام کر دیا۔ شروع میں کوئی خدشہ ظاہر کرتا تو وہ اتنا ہی معمولی نظر آتا، جتنا آج آپ کو میری بات نظر آئے گی۔ ہمارے روشن خیال اور ترقی پسند لوگ اس قسم کی باتوں کو فیشن کے خلاف سمجھتے ہیں۔ فلسطین کے دانشوروں نے بھی یہی سمجھا ہوگا۔ ان کی قوم کا انجام سامنے ہے۔ جو گروہ اسرائیل کا دوست ہے، اسے معمولی اور کمزور تصور نہیں کرنا چاہیے۔ اس کا مطلب ہے کہ دنیا کی سب سے منظّم مالی، فوجی اور ذرائع ابلاغ پر قابض قوتیں ان کے ساتھ ہیں۔ یہ قوتیں پاکستانی عوام کی دشمن ہیں۔ جب وہ اس ملک کے ایک گروہ کی سرپرستی کر رہی ہوں تو یہ جاننے کے لیے زیادہ عقل کی ضرورت نہیں کہ وہ گروہ کیا خدمات انجام دے رہا ہوگا؟'' (15رجنوری 1988ء بحوالہ ''قادیانیت ہماری نظر میں'' ص 284 تا 287 مرتبہ: محمد متین خالد)

جناب نذیر ناجی سے درخواست ہے کہ وہ یہ وضاحت فرمائیں کہ کیا انھیں اب اسرائیل کے دارالحکومت تل ابیب سے ایسا پیغام وصول ہوا ہے جس کے مطابق اسرائیلی، قادیانی روابط منقطع ہوگئے ہیں؟

(مطبوعہ: روزنامہ ''نوائے وقت'' لاہور 4،2،1 جولائی 2009ء)

© rasailojaraid.com